Al-Raqim (Research Journal of Islamic Studies)
Volume 02, Issue 02, October-December 2024.
Open Access at: https://journals.iub.edu.pk/index.php/alraqim
Publisher: Department of Islamic Studies, The Islamia University of Bahawalpur, Rahim Yar Khan Campus, Pakistan

ڈاکٹر خلیل بن ابراہیم ملا خاطر کے تنقیدِ روایات کے اسالیب کا تجزیاتی مطالعہ

An Analytical Study of the Methodologies of Narration Criticism by Dr. Khalil bin Ibrahim Mulla Khatir

Hafiz Muhammad Jaffer

M.Phil scholar, Government College University Faisalabad

Email: jafferrafiq09@gmail.com

Abstract:

This article explores the scholarly contributions of Khalil bin Ibrahim Mulla Khatir, a notable figure in the field of Seerah) biographical writing about the Prophet Muhammad .(ﷺ Born in Deir ez-Zor, Syria, in 1938, Mulla Khatir was renowned for his expertise in Hadith and Seerah studies. He adhered strictly to the principles of Hadith criticism, emphasizing authentic sources and avoiding weak narrations. His methodology incorporated both traditional and modern approaches, refining earlier principles established by scholars like Shibli Nomani and Idris Kandhlawi.Mulla Khatir authored over 100 books, with more than 60 focusing on Seerah. His critical approach addressed inconsistencies in narrations, established coherence through comparative analysis, and highlighted the importance of adhering to established scholarly consensus. The article also discusses his contributions to education, his critique of fabricated and weak narrations, and his enduring legacy in Islamic studies. His work represents a comprehensive and methodical approach to Hadith and Seerah, making a significant impact on contemporary Islamic scholarship.

Keywords: *Seerah writing, Authentic narrations, Critical analysis, Comparative study.*

تمہید:

موجودہ دور سیرت کا تجدیدی دور ہے، تقریباً ایک صدی سے یہ دور چل رہا ہے۔ اس کی ابتداء شبلی نعمانی کے دور سے ہوئی، اس صدی میں جن لوگوں نے اس تجدیدی کام میں نمایاں خدمات سرانجام دیں ان میں ایک نہایت ہی عظیم نام خلیل بن ابراہیم ملا خاطر کا ہے جنہوں نے سیرت کی مباحث کو محدثانہ اسلوب واصول پر رکھا ہے۔

تعارف:

آپ کا نام خلیل بن ابراہیم بن ملا خاطر بن محمد الخضر، کنیت ابو ابراہیم، المعروف ملا خاطر ہے۔ موصوف حسینی سید ہیں، آپ کا سلسلہ نسب سیدنا امام حسین بن علی رضی اللہ عنہما سے ملتا ہے۔[1] آپ کا لقب ملا خاطر ہے لفظ ملا، مولیٰ کی تخفیف ہے۔ سادات سے ہونے کی وجہ سے آپ کے دادا کو مولیٰ کہا جاتا تھا، جو بعد میں آپ کا لقب بن گیا، حالانکہ یہ اصل میں آپ کے دادا کا نام تھا۔[2] شام کے علاقے دیر الزور سے تعلق رکھنے والے عظیم سکالر 15 شعبان 1357 ہجری بمطابق 8، اکتوبر 1938ء کو پیدا ہوئے۔ دیر الزور دریائے فرات کے کنارے مشرقی شام میں واقع ہے۔[3]

تعلیم وتربیت:

آپ کا گھرانہ علمی اور روحانی اعتبار سے معروف تھا، اسی لیے آپ کے گھر والوں نے آپ کی خصوصی تعلیم وتربیت کا اہتمام کیا۔ ملا خاطر نے سات سال کی عمر میں اپنے دادا سے قرآن کریم حفظ کیا۔ آپ کے دادا کا نام ملا خاطر ہے، انہوں نے اپنی زندگی قرآن کریم کی تعلیم کے لیے وقف کر دی تھی۔ آپ کے دادا نے 40 سال سے زائد قرآن پاک کی تعلیم دی۔ ان کے نانا شیخ اویس اور شیخ اویس کے والد شیخ الکبیر سلطان عبد الحمید کے متقدر علماء میں سے شمار ہوتے تھے۔[4]

---

[1] محمد المجذوب، علماء ومفکرون عرفتہم، ریاض: دار الشواف، ط: رابع، س ن، 3/25

Muhammad Al-Majzoub, scholars and thinkers I knew, Riyadh: Dar Al-Shawaf, Edition Fourth, 3/25

[2] ایضاً

Ibid

[3] خواجہ، عبد المقصود محمد سعید، الاثنینیہ، جدہ: عبد المقصود محمد سعید خواجہ، 1417ھ، 14/181

Khwaja, 'Abdul-Maqsood Muhammad Saeed, Al-Athaniyyah, Jeddah: 'Abd al-Maqsood Muhammad Saeed Khwaja, 1417 AH, 14/181

[4] ایضاً

Ibid

ملاخاطر نے اپنے شہر دیر الزور کے تمام شیوخ سے استفادہ کیا بالخصوص شیخ مفتی محمد سعید سے انہوں نے فقہ شافعی پڑھی بعد ازاں فقہ حنفی، صرف ونحو، منطق، بلاغت اور وراثت جیسے عظیم علوم میں کمال حاصل کیا۔[5] 10 سال تک مفتی محمد سعید سے زانوئے تلمذ طے کرتے رہے۔ جو آپ کے قریبی رشتہ دار تھے۔ بعد ازاں شیخ حسین رمضان (جو اپنے زہد وعبادت کے سبب مشہور تھے) اور شیخ عبدالوہاب رفاعی سے بھی تعلیم حاصل کی۔ سات سال کی عمر میں امامت کروانے لگ گئے اور اسی عمر میں مختلف دروس میں شرکت کرنا شروع کی ابھی 20 سال کے نہ ہوئے تھے کہ منبر پر خطبہ دینے لگے۔ آپ کی تعلیم وتربیت میں سب سے بڑا ہاتھ آپ کے والدین کا ہے، آپ کے والد خود تو زیادہ نہ پڑھ سکے انہوں نے اپنے بیٹے کو شہر کے بڑے بڑے کے علماء کے سامنے حصول علم کے لیے بٹھایا۔ آپ کے استاذ محترم شیخ مفتی محمد سعید کو علم حدیث میں بڑی مہارت حاصل تھی، وہ جرح وتعدیل کے بہت بڑے عالم تھے۔ اور علم الرجال سے بہت زیادہ شغف تھا۔ احادیث صحیحہ کا اہتمام کرتے تھے اور سقیم وضعیف احادیث سے بہت زیادہ اجتناب کرتے تھے، انہی کا رنگ ملا خاطر پر غالب تھا۔[6]

تدریسی خدمات:

1386ھ بمطابق 1966ء میں سعودی عرب یونیورسٹی میں تدریس کے لیے تشریف لائے۔ تقریباً 13 سال ریاض شہر کی یونیورسٹی امام محمد بن سعود میں پڑھایا۔ پھر 1379ھ بمطابق 1979ء میں مدینہ منورہ منتقل ہو گئے، وہاں پر ہائر انسٹیٹیوٹ فار اسلامک اسٹڈیز کے شعبہ، پوسٹ گریجویٹ اسٹڈیز میں پڑھانے لگے اس کے بعد دوبارہ محمد بن سعود اسلامی یونیورسٹی کے کالج آف فنڈامینٹل آف ریلیجن میں شعبہ حدیث میں پوسٹ گریجویٹ کی تعلیم دینے "امام محمد بن سعود" یونیورسٹی آ گئے۔ 1415ہجری بمطابق 1984ء میں دوبارہ مدینہ منورہ تشریف لائے۔ احادیث اور علوم حدیث کے شعبہ میں بطور پروفیسر کنگ عبدالعزیز یونیورسٹی کی شاخ، کالج آف ایجوکیشن میں تعلیم دینے لگے، اسی اثنا میں اپنے تعلیمی سفر کو طیبہ یونیورسٹی سے بحثیت پروفیسر مکمل کیا۔[7] انہوں نے اپنے تعلیمی دور میں ماسٹرز اور ڈاکٹریٹ کے بہت سارے مقالہ جات کی نگرانی کی اور مرکز رابطہ عالم اسلامی کے مشیر بھی مقرر ہوئے۔[8]

---

[5] محمد المجذوب، علماء ومفكرون عرفتهم، 3/27

Mohammed Al-Majzoub, scholars and thinkers I knew, 3/27

[6] محمد المجذوب، علماء ومفكرون عرفتهم، 3/27

Muhammad al-Majzub, Ulama wa Mufkron Al-Aftham, 3/27

[7] عبد المقصود خواجہ، الاثنينية، 14/181

Abd al-Maqsood Khwaja, Al-Athaniniyyah,14/181

[8] محمد المجذوب، علماء ومفكرون عرفتهم، 3/30

تصنیفی خدمات:

ملا خاطر نے علوم حدیث، سیرت، مناقب، رد مستشرقین، تاریخ اور جدید دور زمانے کی ضروریات کے مطابق موضوعات پر لکھا ہے موصوف نے 100 سے زائد کتب لکھی ہیں جن میں تقریباً 60 سے زائد کتب، سیرت پر ہیں جن میں سے اہم کتب کا نام درج ذیل ہے:

1) الخصائص التی انفرد بها صلی الله علیه وآله وسلّم عن سائر الأنبیاء علیهم السلام
2) عظیم قدره صلی الله علیه وآله وسلّم ورفعة مكانته عند ربه عزوجل
3) الأمانة العظمى ونبيها صلی الله علیه وآله وسلّم
4) الشوق إلى رسول الله صلی الله علیه وآله وسلّم من الجذع إلى ثوبان
5) الرحمة المهداة صلی الله علیه وآله وسلّم
6) الحب المتبادل بين رسول الله صلی الله علیه وآله وسلّم والمدينة المنورة
7) أمية النبي المصطفى صلی الله علیه وآله وسلّم[9]

اعزاز:

28 رجب 1417 ہجری بمطابق 9 دسمبر 1996ء بروز سوموار، جدہ میں آپ کی خدمات کو خراج تحسین پیش کرنے کے لیے ایک تقریب کا اہتمام کیا گیا اس تقریب میں ڈاکٹر محمد عبدہ یمانی، استاد حسین عرب، شیخ ابو تراب ظاہری، شیخ محمد نمر خطیب، شیخ محمد عوض، شیخ ڈاکٹر حامد رفاعی، استاد عبداللہ قرقوری، شیخ عمر فلاتہ نے آپ کو خراج تحسین پیش کیا۔[10]

Muhammad al-Majzub, Ulama wa Mufkron Al-Aftham, 3/30

[9] ملا خاطر، خلیل بن ابراہیم، الرحمۃ المھداۃ، جدہ، دار القبلۃ للثقافۃ الاسلامیہ، 1428ھ، ص 361

Mulla Khatir, Khalil bin Ibrahim, Al-Rahmat al-Mahdi'ah, Jeddah, Dar-ul-Qibla al-Thaqafat al-Islamiyyah, 1428 AH, p. 361

[10] عبد المقصود خواجہ، الاثنینیہ، 14/181

Abd al-Maqsood Khwaja, Al-Athaniniyyah,14/181

وفات:

آپ کی وفات 4 اگست 2023ء روز جمعہ، مدینہ منورہ میں ہوئی۔ آپ کی نماز جنازہ مسجد نبوی شریف میں ادا کی گئی اور آپ کو نبی کریم نبی رحمت ﷺ کے صاحبزادے حضرت سیدنا ابراہیم کے جوار میں جنت البقیع میں سپرد خاک کر دیا گیا۔[11]

تنقید روایت میں ملا خاطر اصول

تنقید روایت میں ملا خاطر کا اسلوب انتہائی جامعیت پر مشتمل ہے، سیرت نگاری میں تنقید روایات کی ابتدا ہندوستان میں علامہ شبلی نعمانی کے زمانہ سے ہوئی علامہ شبلی نے قبول واخذ روایات کے گیارہ اصول متعین کیے ہیں۔ جن میں سب سے نمایاں یہ اصول ہیں کہ کتب سیرت میں تنقیح ضروری ہے اسی طرح جہاں پر روایت سیرت اور روایت حدیث میں تعارض ہو وہاں پر روایت حدیث کو ترجیح دی جائے گی اسی طرح اگر روایات احادیث میں تعارض ہو تو ان میں سے فقہاء کی روایت کو ترجیح ہو گی اسی طرح روایت میں اندراج کا بھی خصوصی مطالعہ کیا جانا چاہیے کہ اصل واقعہ کیا ہے اور راوی کی ذاتی فہم کیا ہے اسی طرح خارجی اسباب کا اثر بھی دیکھنا چاہیے کہ راوی کسی خاص نظریہ کا حامل تو نہیں جس کی بنا پر وہ روایت کو اپنے مدعا کی تصدیق کے لیے ذکر کر رہا ہے اسی طرح جو روایت عام عقلی مشاہدہ اور مسلمہ اصول کے خلاف ہو اس کو بھی رد کر دیا جائے یہ بالکل بجا ہے کہ شبلی کے اصول بہت عمدہ ہیں لیکن یہ اصول ابتدائی دور کے ہیں آج کے دور میں ان اصولوں میں مزید گہرائی آگئی ہے۔[12] مولانا ادریس کاندھلوی نے اپنی سیرت کی کتاب میں یہ منہج اختیار کیا کہ تمام روایات کا احادیث سے اخذ کیا گیا بالخصوص محدثین کے قواعد وضوابط کی اتباع کی گئی غیر مستند اور غیر معتبر روایات سے بالکل اجتناب کیا گیا۔[13]

ان دونوں اقتباسات سے ہمیں یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ علامہ شبلی کے قوانین میں تحدید ہے ان کی تنقید سیرت کے اصولوں تک محدود ہے جبکہ دوسری طرف علامہ کاندھلوی کے اصول، حدیث کے اصولوں پر منطبق ہیں حالانکہ سیرت حدیث سے بالکل جداگانہ موضوع ہے ہم دیکھتے ہیں کہ جن سیرت نگاروں نے بھی تنقید روایات کے قوانین ذکر کیے ان میں اتنی جامعیت نہیں ہے جتنی جامعیت ملا خاطر کے اسلوب تنقید میں ہے۔

---

[11] https://ar.wikipedia.org/wiki/%D8%AE%D9%84%D9%8A%D9%84_%D9%85%D9%84%D8%A7_%D8%AE%D8%A7%D8%B7%D8%B1. 07-07-2024

[12] شبلی نعمانی، سیرۃ النبی ﷺ، لاہور، دار المصنفین، 2004ء، 1/59۔60

Shibli Nomani, Sirat-un-Nabi, Lahore, Dar-ul-Lekhin, 2004, 1/59. 60

[13] کاندھلوی، محمد ادریس، سیرت المصطفی، لاہور: مکتبہ عثمانیہ اقبال ٹاؤن، 1992ء، ص 1

Kandhalvi, Muhammad Idrees, Sirat al-Mustafa, Lahore: Maktaba Osmania Iqbal Town, 1992, p. 1

مصنف کے اسلوب میں متکلمین کا طریقہ تنقید بھی شامل ہے، اسی طرح فقہاء کا اسلوب تنقید بھی موصوف کی کتب سے واضح ہے اصول مسلمہ کے خلاف جو روایت آئے اس پر مصنف نے آزادانہ تنقید کی ہے اسی طرح مصنف نے اصول سیرت نگاری پر بھی تنقید کی بنیاد رکھی ہے الغرض اگرچہ مصنف کے تنقید روایت میں نمایاں پہلو اصول محدثین پر کی گئی تنقید کا ہے لیکن مصنف کی کتب سے مندرجہ ذیل نکات پر مشتمل تنقید روایت کا اسلوب بر آمد ہوتا ہے۔

1۔اصول مسلمہ کے خلاف پر تنقید

2۔اصول محدثین پر تنقید روایات

3۔اصول تفسیر کی روشنی میں تنقید روایات

4۔نقد روایات تعارض و تناقض کے اصولوں پر

5۔اصول سیرت نگاری کی روشنی میں نقد روایات

6۔تنقیح متن میں متروک اصطلاحات کی تحقیق

7۔تطبیق و ترجیح کی صورت میں نقد روایات

1۔اصول مسلمہ کے خلاف

مصنف نے ان تمام روایات کا رد کیا، جو روایات محدثین اور اصحاب سیر کے نزدیک متفق علیہ کے خلاف ہیں، ڈاکٹر طویل اور ڈاکٹر استاد احمد محمد جمال نے اس بات کا انکار کیا کہ سیدہ عائشہ کا نکاح بچپن میں ہوا اور اس پر انہوں نے کئی شاذ روایات سے استدلال کرنے کی کوشش کی، جس پر موصوف نے پوری کتاب " زواج سیدہ عائشہ" لکھی جس میں ان کے اعتراضات کا ترکی بہ ترکی جواب دیا اور کئی جگہ پر انہیں الزام دیا، کہ یہاں پر بھی کوئی سند نہیں ہے، یہاں پر بھی کوئی سند نہیں ہے، لیکن سب سے زیادہ تنقید انہوں نے ان روایات پر کی جو متفق علیہ اور مسلمہ اصولوں کے خلاف تھیں۔چنانچہ کتاب کے مقدمہ میں بھی وہ لکھتے ہیں:

"بے شک مستغربین میں سے ایک استاد جو دراسہ علیا میں فرائض سر انجام دے رہے ہیں، انہوں نے ایک اخبار میں ایک غیر محقق کالم لکھا اور اس میں ان تمام امور کی نفی کی ہے، جس پر امت کا اجماع ہے اور جو علماء کے درمیان متفق علیہ ہیں، مفسرین، محدثین اور فقہاء سب کا اس پر اتفاق ہے، لیکن معلوم پڑتا ہے کہ موصوف کتب تفسیر اور احادیث سے نابلد و ناآشنا ہیں، ان سے یہ حکم کے صدور کا سبب ان کا غیروں کی عقل پر انحصار کرنا ہے۔"(14)

(14) ملا خاطر، خلیل بن ابراہیم، زواج السیدہ عائشۃ ومشروعیۃ الزواج المبکر والرد علی منکری ذلک، جدہ: دار القبلۃ الثقافۃ الاسلامیہ، 1405ھ، ص 8

مزید لکھتے ہیں:

"آج کل اکثر لوگ اپنے میدان تخصص سے ہٹ کر لکھتے ہیں، ان کا ایک مقصد اسلام کو نقصان پہنچانا ہے، لہذا ان لوگوں سے اگر کوئی اچھائی صادر ہو جائے تو ہم یہ کہیں گے کہ یہ اکثر معاملات میں جہالت پھیلاتے ہیں اور تھوڑا سا علم رکھتے ہیں اور وہ یہ سمجھتے ہیں کہ جو انہوں نے لکھا ہے وہ اسلام کا دفاع کر رہے ہیں حالانکہ ایسا نہیں۔"[15]

یہاں پر بالکل واضح الفاظ میں ان تمام روایات پر تنقید کر رہے ہیں، جن روایات میں سیدہ عائشہ کا نکاح بچپن میں نہیں ہوا تھا مصنف اس پر حیرت بھی کر رہے ہیں کہ پوسٹ گریجویٹ کالج کا ایک استاد وہ متفق علیہ اور مجمع علیہ مسئلہ کے خلاف کس طرح سے کتاب لکھ سکتا ہے۔؟ حالانکہ مفسرین، محدثین اور فقہاء کا نظریہ بھی یہی ہے۔ پھر آخر میں کہتے ہیں کہ پکی بات ہے جو بندہ اس مسئلہ کے خلاف نظریہ رکھتا ہے، اس کے پاس نہ تو تفسیر کا علم ہے نہ ہی حدیث کا علم ہے، اس نے صرف عقل پر اعتماد کرتے ہوئے کچھ روایات کا سہارا لینے کی کوشش کی ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ جس امر پر اجماع ہو جائے اس کے خلاف جتنی بھی روایات آتی ہیں ساری کی ساری مردود ہوتی ہیں یہی وجہ ہے کہ متفق علیہ مسائل پر جو روایات آئیں، اگرچہ اسانید صحیحہ ہوں پھر بھی ان کا اعتبار نہیں ہوتا کیونکہ اجماع کی دلالت زیادہ مضبوط ہوتی ہے سند سے یا سند کی صحت سے اور اگر سند کی صحت زیادہ ہوتی تو قطعاً اس کے خلاف اجماع نہ ہوتا اور اجماع کا ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ یا تو اس کی صحت ہی نہیں ہے یا صحت تو ہے لیکن اس میں شذوذ کا دخل ہے اور شذوذ یہ صحت کے منافی ہے۔

ڈاکٹر طویل نے تاریخ طبری، الکامل اور البدایہ سے ایسی روایات پیش کی جن سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ سیدہ عائشہ کا نکاح بعد از بلوغت ہوا۔ مصنف ان تمام روایات پر تنقید کرتے ہوئے یہ بتاتے ہیں کہ کاش ڈاکٹر طویل متفق علیہ مصادر کو جیسے بخاری، مسلم، سنن اور مسانید کو اختیار کرتے چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

"اس کا یہ قول میں نے کچھ تاریخی حوالہ جات کا ذکر کیا، میں نہیں جانتا کہ ڈاکٹر طویل صحیح بخاری اور مسلم سمیت دیگر کتب کو کتب تاریخ کے طور پر لیتے ہیں، اگر ان کو کتب تاریخ کے طور پر لیا جائے تو تاریخ کے طالب علم پر مجھے افسوس ہے کہ اسے کتب حدیث کا مطلقاً پتہ نہیں تاریخ کے لیے الطبری، الکامل اور البدایہ جیسی کتب ہیں ان کتب کو، کتب تاریخ سمجھنا حد درجہ غلط فہمی ہے اور پوسٹ گریجویٹ سٹڈیز کے ایک پروفیسر کی طرف سے غلط فہمی کا ہونا جو اپنے مذہب کی کتابوں کو تاریخ کی کتب قرار دیتا ہے، اس کے طلباء کا کیا حال ہوگا ۔بے شک شریعت کے مصادر کتاب، سنت، اجماع اور قیاس ہیں اور یہی مصادر اصلیہ ہیں انہی پر اعتماد کیا جاتا ہے نہ کہ کتب تاریخ پر۔

Mulla Khatir, Khalil bin Ibrahim, Zawaj al-Sayyida Ayesha ,Jeddah: Dar-ul-Qibla al-Thaqafat al-Islamiyya, 1405 AH, p. 8

[16] ملا خاطر، زواج سیدہ عائشہ، ص9

Mulla Khatir, Zawaj al-Sayyida Ayesha, p. 9

حضرت عائشہ کی عمر کی تحدید کے متعلق کتب حدیث میں صحیح حدیث میں یہ وارد ہے کہ آپ کا نکاح صغر سنی میں ہوا لیکن مشکل یہ ہے کہ ڈاکٹر طویل جو کہ کتب ستہ سے نابلد ہیں، وہ کتب تاریخ اور کتب مذاہب میں فرق نہیں کر پائے۔"[16]

اس جگہ دو باتیں انتہائی قابل توجہ ہیں مصنف نے تنقید کرتے ہوئے یہ بات بڑی تفصیل کے ساتھ لکھی کہ کاش پوسٹ گریجویٹ کالج کے ایک پروفیسر دین کے متفق علیہ مصادر کا اعتبار کرتے، جو بالترتیب قرآن، سنت، اجماع اور قیاس ہیں۔ اس ڈاکٹر کو یہ چاہیے تھا کہ وہ دین کے متفق علیہ مصادر کو ہی اپنے مؤقف کی بنیاد بناتے لیکن انہوں نے دلائل شریعت میں سے جو کہ شریعت کی اساس اور بنیاد ہیں سے عدول کیا اور ایسے ماخذ کی طرف چلے گئے جن پر اتفاق نہیں ہے، جن کی اپنی حیثیت کا تعین نہیں ہے، پھر کاش وہ سنت کی طرف جاتے تو سنت کے ان ماخذ کا اہتمام کرتے جن ماخذ کو امت نے ہاتھوں ہاتھ لیا ہے اور انہیں قبولیت عامہ کا درجہ حاصل ہے مصنف اس پر بار بار افسوس کر رہے ہیں کہ کاش ایسی روایات کا انتخاب کرنے سے پہلے پہلے بندہ متفق علیہ امور کو ہی سمجھ لے۔

2۔اصول محدثین پر تنقید روایات

مصنف نے اپنے اسلوب سیرت کو اپنے بعض کتابوں کے شروع میں بیان بھی کیا ہے، ان مقامات کو پڑھنے سے محقق پر یہ فیصلہ آسان ہو جاتا ہے کہ مصنف کے نزدیک تنقید روایت کا اصول محدثین کی روشنی میں کیا اسلوب ہے۔ چنانچہ مصنف اپنی کتاب فضائل مدينة المنورة کے مقدمہ میں لکھتے ہیں کہ میں نے یہ کتاب محدثین کے اصول پر لکھی ہے اور کتب حدیث میں موجود ہر حدیث کو میں نے نہیں لیا بلکہ جو صحیح احادیث تھیں، میں نے ان کا اہتمام کیا ہے پھر اگلا اصول یہ لکھتے ہیں کہ میں نے احادیث کے اختلاف کو بیان نہیں کیا کہ کس نے کس طرح حدیث کو روایت کیا ہے کیونکہ یہ ان بندوں کا کام ہے جو حدیث میں ہے تخصص کر چکے ہوں اس لیے میں نے قاری کا لحاظ کرتے ہوئے حدیث کا خلاصہ ذکر کیا ہے اور میں نے راویوں کے اختلاف کو ذکر نہیں کیا اور اسانید کے اختلاف کو ذکر نہیں کیا ہاں جو چیز قاری کے لیے انتہائی اہم تھی وہ تھا حدیث کا صحیح ہونا یا حسن ہونا یہ میں نے واضح کر دیا ہے، اسی طرح میں نے فقہاء کے اختلافات کو بھی ذکر نہیں کیا ہاں جو مسائل احادیث سے مستنبط ہوتے تھے میں نے ان کا ذکر کیا ہے۔[17]

اسی طرح "عظيم قدره ورفعة مكانته عند ربه عز وجل" کے مقدمہ میں لکھتے ہیں:

---

[16] ملا خاطر، زواج سیدہ عائشہ، ص64۔65

Mulla Khatir, Zawaj al-Sayyida Ayesha,64.65

[17] ملا خاطر، خلیل بن ابراہیم، فضائل المدينة المنورة، جدہ: دار القبلة للثقافة الاسلامية، 1413ھ، 1/17

Mulla Khatir, Khalil bin Ibrahim, Faza'il al-Madinah al-Munawarah, Jeddah: Dar-ul-Qibla, 1413 AH, 1/17

"میں نے بعض حدیثیں جو پہلے لکھی ہوئی تھی ان کو حذف کیا اور ان کی جگہ صحیح احادیث کا التزام کیا اور صحیح احادیث کو تلاش کر کے ان کو شامل کیا اور جو صحیحین میں نہیں ملیں تو اس کا بدل میں نے ذکر کیا اور وہ بہت قلیل احادیث ہیں دو یا تین جگہ پر ہیں فقط۔"[18] ان اصولوں میں مصنف واضح طور پر یہ فرمارہے ہیں، کہ میں اس بات پر حریص رہا ہوں کہ حدیث کا حکم بیان کروں کہ صحیح ہے یا حسن ہے اور اگر کسی جگہ میں حدیث کسی صحت پر واقف نہ ہوا ہوں یا راوی کی ثقاہت مجھے میسر نہ آئی ہو، تو ایسی صورت میں یہ سمجھ لیا جائے کہ وہ ضعیف حدیث نہیں ہو گی، بلکہ حدیث پر قاری کو مطمئن رہنا چاہیے۔یعنی ایسی حدیث میرے نزدیک حدیث ضعیف نہیں ہو گی اگرچہ اس پر میں نے کوئی کلام نہ کیا ہو یا اس کے صحیح یا حسن ہونے کا بیان نہ کیا ہو تب بھی وہ حدیث ضعیف نہیں ہو گی کیونکہ ضعیف احادیث سے بچنے کی مصنف نے پوری پوری کوشش کی ہے۔

پھر روایات کی تصحیح میں بھی مصنف نے اپنے اوپر اعتماد نہیں کیا بلکہ ائمہ جرح و تعدیل سے نصوص لاتے ہیں چنانچہ کئی مقامات ایسے ہیں جہاں پر وہ اس بات کا اہتمام کرتے ہیں مثلاً ان کی کتاب ہے "رحمۃ النبی الکریمﷺ بالکفار" اس کتاب کے صفحہ 133 پر ایک حدیث کا ذکر کر کے آخر میں کہتے ہیں کہ اس حدیث کو حافظ ابن حجر نے اور بوصیری نے صحیح کہا ہے۔[19] اسی طرح اسی کتاب کے صفحہ 152 پر ہے کہ اس حدیث کو احمد، طیالسی، ابن ابی شیبہ، ابو داؤد، ابن ماجہ، طحاوی، ابن جارود، بزار، طبرانی، ابو یعلی اور بیہقی نے روایت کیا ہے ابن حبان نے اس کو صحیح کہا ہے عبد الرزاق، ابن ابی شیبہ اور طبرانی نے رجال صحیح کے ساتھ اس حدیث کو روایت کیا ہے۔[20]

اسی طرح اسی کتاب کے صفحہ 211 پر ایک حدیث نقل کے رہنے کے بعد لکھتے ہیں کہ اس حدیث کو احمد، سعید، ابو داؤد، طحاوی، طبرانی اور بیہقی نے روایت کیا اور ابن حبان نے صحیح قرار دیا جبکہ ابن حجر نے حسن قرار دیا۔[21]

---

[18] ملا خاطر، خلیل بن ابراہیم، عظیم قدرہ ورفعۃ مکانتہ عند ربہ، جدہ، دار القبلۃ للثقافۃ الاسلامیہ، 1428ھ، ص 11

Mulla Khatir, Khalil bin Ibrahim, Azeemo Qadrehi wa Rafa'at Makanta endarabbehi, Jeddah, Dar-ul-Qibla al-Thaqafat al-Islamiyyah, 1428 AH, p. 11

[19] ملا خاطر، خلیل بن ابراہیم، رحمۃ النبی الکریم ﷺ بالکفار، دار القبلۃ للثقافۃ الاسلامیہ، جدہ، 1428ھ، ص 133

Mulla Khatir, Khalil bin Ibrahim, Rahmat-un-Nabi al-Karim (peace and blessings of Allaah be upon him) bil-kuffar, Dar-ul-Qibla al-Thaqafat al-Islamiyyah, Jeddah, 1428 AH, p. 133

[20] ملا خاطر، رحمۃ النبی الکریم ﷺ بالکفار، ص 152

Mulla Khatir, Khalil bin Ibrahim, Rahmat-un-Nabi al-Karim (peace and blessings of Allaah be upon him) bil-kuffar,p152

[21] ایضاً، ص 211

Ibid,211

مصنف کے اسلوب نقد کو دیکھا جائے تو اس میں یہ بات واضح ہے کہ مصنف نے زیادہ صحیح کتابوں کو ترجیح دی ہے جیسے صحیحین کو پھر یہی طریقہ سنن اربعہ کے حوالے سے بھی اختیار کیا چنانچہ وہ صحیحین کی روایاتِ سیرت کو سنن اربعہ پر مقدم کرتے ہیں، پھر کتب ستہ کو باقی تمام روایات پر مقدم کرتے ہیں، اسی طرح اگر ایک روایت مستدرک میں ہے، حالانکہ وہ بھی شرط شیخین پر مشتمل ہے، لیکن اس کے باوجود کیونکہ المختارہ جو مقدسی کی ہے وہ زیادہ صحیح ہے بنسبت مستدرک کے، اس لیے اگر المختارہ کی احادیث مصنف کو مل جائیں تو مصنف اسی کو ترجیح دیتے ہیں چنانچہ ایک مقام پر مواخات کے مسئلہ پر ابن تیمیہ کا رد لکھتے ہوئے کہتے ہیں کہ جب ابن تیمیہ نے خود ہی یہ بات کہی ہے کہ المختارہ کی احادیث مستدرک کی احادیث سے زیادہ صحیح بھی ہیں اور زیادہ قوی بھی ہیں تو پھر مستدرک کی حدیث کو اس مسئلے میں نہیں لیا جائے گا بلکہ المختارہ کی احادیث کو لیا جائے گا۔

"پھر کہتے ہیں اس کی تخریج ضیاء نے مختارہ میں معجم کبیر طبرانی سے کی اور ابن تیمیہ نے تصریح کی ہے بے شک مختارہ کی احادیث مستدرک سے اصح اور قوی تر ہیں۔"[22]

موصوف نے اپنی کچھ تصانیف صرف احادیث صحیحہ کی روشنی میں تحریر کی ہیں اور انہیں اس بات پر فخر ہوتا ہے کہ انہوں نے کوئی ضعیف حدیث نقل نہیں کی، بلکہ جو حدیث ان کتابوں میں مذکور ہیں وہ صحت کے بلند درجوں پر ہیں بالخصوص صحیحین سے حدیث لی جائے اگر وہاں نہ ملے تو باقی کتابوں سے روایات لی جائیں لیکن ان کی تصحیح و تحسین پر کتب متقدمین میں شواہد موجود ہوں تب ہی جا کر موصوف اور اس روایت کو نقل کرتے ہیں۔

عظیم قدرہ ورفعۃ مکانتہ عند ربہ عز وجل کے صفحہ 26 پر مصنف اپنا اسلوب تحریر کرتے ہیں:

(اور جو حدیث ان میں نہ ملی یعنی صحیحین میں نہ ملی، اسے دیگر کتب سے متقدمین کی تحسین اور تصحیح کی حامل دیکھ کر نقل کر دیا میں نے اس باب میں کوئی ضعیف حدیث بھی نقل نہیں کی۔)[23]

اس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ مصنف نے اخذ روایات میں ضعیف احادیث سے بالکل اجتناب کیا ہے اور بالخصوص کئی تصانیف اسی اسلوب پر تحریر کی ہیں جن میں سے امتیازات مصطفیٰ ﷺ، خصائص مصطفیٰ ﷺ اور فضائل مدینہ خاص طور پر ایسی کتابیں ہیں جن میں صرف صحیح اور حسن حدیثوں کا انتخاب کیا گیا۔ موصوف نے فضائل مدینہ کے صفحہ 19 پر اپنے اسلوب کو خود ہی بیان کرتے ہوئے لکھا کہ:

---

[22] ملا خاطر، فضائل المدینۃ المنورۃ، 2/17

Mulla Khatir, Faza'il al-Madinah al-Munawarah, 2/ 17

[23] ملا خاطر، عظیم قدرہ ورفعۃ مکانتہ عند ربہ عز وجل، ص26

Mulla Khatir, Azeemo Qadrehi wa Rafa'at Makanta endarabbehi,p26

"پھر میرے دل میں خیال آیا کہ میں خود اس پاک و مطہر شہر کے فضائل کو جمع کروں، جو صرف اور صرف صحیح احادیث و روایات پر منحصر ہوں، اگرچہ علماء و محدثین فضائل وترغیب میں ضعیف حدیث کی روایت کو بھی جائز قرار دیتے ہیں۔"[24]

اس سے یہ اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ مصنف نے نقد روایات میں کس طرح سے محدثین کے اصولوں کی پابندی کی ہے، حالانکہ خصائص کے باب میں بہت ساری ایسی کتابیں ہیں، جن میں ہر طرح کی روایات جمع ہیں لیکن مصنف نے خود ہی اس بات کی خواہش ظاہر کی اور اس کے چند لائنوں کے بعد خود ہی لکھا کہ میرے سامنے معتبر روایات اور ثقہ روایات پر مشتمل کوئی کتاب نہیں ہے۔

گویا مصنف کے اسلوب سے یہ سمجھا جاسکتا ہے کہ مصنف نے سیرت کو ایک نئی راہ پر چلایا، جس طرح بخاری اور مسلم کی روایات کو انتہائی تنقیح کے ساتھ روایت کیا گیا، اسی طرح مصنف سیرت میں بھی یہی اسلوب مروج کرنا چاہتے ہیں۔ موصوف نے انہی روایات کو اپنا مستدل بنایا ہے جن روایات سے علم ظنی حاصل ہوتا ہے یا جن روایات سے قطعیت حاصل ہوتی ہے چنانچہ مصنف نے ایک طویل حدیث ذکر کی کہ:

" إِنَّ رَسُولَ اللهِ صلى الله عليه وسلم يأْمُرُكُمَا أَنْ تَجْتَمِعَا بِإِذْنِ اللهِ " قَالَ: فَاجْتَمَعَتَا، فَبَرَزَ لِحَاجَتِهِ، ثُمَّ رَجَعَ، فَقَالَ: " اذْهَبْ إِلَيْهِمَا، فَقُلْ لَهُمَا: إِنَّ رَسُولَ اللهِ صلى الله عليه وسلم يأْمُرُكُمَا أَنْ تَرْجِعَ كُلُّ وَاحِدَةٍ مِنْكُمَا إِلَى مَكَانِهَا فرجعت "[25]

(بے شک ﷺ نے ان دونوں کو حکم دیا کہ وہ اللہ کے حکم سے جمع ہو جائیں، تو راوی کہتے ہیں بس دونوں جمع ہو گئے تو آپ ﷺ نے رفع حاجت فرمایا راوی کہتے ہیں پھر مجھے آپ نے فرمایا کہ انہیں کہہ دو کہ واپس چلے جائیں تو وہ واپس لوٹ گئے۔)

پھر مصنف نے اس حدیث کی تصحیح کا اہتمام کرتے ہوئے فرمایا کہ بعض محدثین نے اسے یعلی کے والد مرہ سے روایت کیا ہے ، جبکہ امام احمد ابن ابی شیبہ نے رجال صحیح کے ساتھ اسے نقل کیا ہے، ابن ماجہ، امام حاکم نے صحیح کہا اور ذہبی نے حاکم کی تصحیح پر خاموش اختیار کی یعنی اس نے تسلیم کیا، ابن کثیر کہتے ہیں یہ حدیث متعدد ترک سے مروی ہے جو جید ہیں ماہرین حدیث کے ہاں غلبہ ظن و قطعیت تک پہنچتے ہیں۔[26]

---

[24] ملا خاطر، فضائل المدينة المنورة، 1/14

Mulla Khatir, Faza'il al-Madinah al-Munawarah,1 / 14

[25] حنبل، احمد بن حنبل، مسند الامام احمد، المحقق: شعیب الارنووط، بیروت: مؤسسۃ الرسالہ، 2001ء، رقم الحدیث: 17548

Hanbal, Ahmad bin Hanbal, Musnad al-Imam Ahmad, al-Muhaqiq: Shoaib al-Arnaut, Beirut: Mussat al-Risala, 2001, Raqi al-Hadith: 17548

[26] ملا خاطر، خلیل بن ابراہیم، محبۃ النبی وطاعتہ بین الانسان والجماد، جدہ: دار القبلۃ للثقافۃ الاسلامیۃ، 1998ء، ص 88

Mulla Khatir, Khalil bin Ibrahim, Mohibat-un-Nabi wa Ta'aitehi bain al-Insaan wal-Jamad, Jeddah: Dar-ul-Qibla al-Thaqafat al-Islamiyyah, 1998, p. 88

اصول محدثین پر مصنف نے جن روایات کا نقد کیا ان کا خلاصہ ان نکات کے ساتھ بیان کرنا آسان ہے۔

- صحیحین کی روایت کو سب روایات پر فوقیت ہے۔
- زیادہ صحیح روایت کے ہوتے ہوئے کم صحیح کو چھوڑ دیا جائے گا جیسا کہ موصوف نے اپنی کتب سے ان روایات کو نکال دیا جو صحیح تھیں۔
- کتب ستہ کی روایات کو ترجیح دی جائے گی اس کے مقابلے میں آنے والی روایت کو رد کیا جائے گا۔
- حسن یا صحیح یا مسکوت روایت کا انتخاب کیا جائے گا۔
- ان ضعیف روایات کا انتخاب کیا جائے گا جو مختلف وجوہ سے حسن کے درجے تک جا پہنچتی ہیں۔
- مصنف میں اس بات کی وضاحت بھی خود کی کہ اگرچہ ترغیب وترہیب اور فضائل میں ضعیف احادیث کی گنجائش ہوتی ہے لیکن میں نے کوشش کی ہے کہ اس باب میں ایسے روایات سے بھی اجتناب کیا جائے۔

3۔اصول تفسیر کی روشنی میں تنقید روایات

مصنف نے اپنے مضامین سیرت میں اس بات کا خاص خیال رکھا ہے کہ سیرت کو تحقیق کے اصولوں پر یہ لکھا جانا چاہیے، اس لیے مصنف نے ان تمام روایات میں خوب تنقیح کی ہے جو تفسیری ذخیرہ میں موجود تھیں اور ان کا تعلق سیرت سے تھا، سیرت کے مباحث میں سے ایک اہم بحث مدنی زندگی ہے اور مدنی زندگی کی ابتداء میں ہی دو عظیم الشان مساجد تعمیر کی گئیں یعنی مسجد قباء اور مسجد نبوی ﷺ تو سورۃ توبہ آیت نمبر 108 میں ہے کہ:

"لَمَسْجِدٌ أُسِّسَ عَلَى التَّقْوَى مِنْ أَوَّلِ يَوْمٍ أَحَقُّ أَنْ تَقُومَ فِيهِ "[(27)]

(بیشک وہ مسجد جس کی بنیاد پہلے دن سے پرہیز گاری پر رکھی گئی ہے وہ اس کی حقدار ہے کہ تم اس میں کھڑے ہو۔)

یہ کون سی مسجد مراد ہے؟ اس بارے میں مفسرین کی آراء مختلف ہیں دونوں کے پاس دلائل بھی موجود ہیں۔ مصنف نے مختلف طریقوں سے مختلف حدیثوں کی روشنی میں اس بات کو ترجیح دی ہے کہ اس سے مراد مسجد نبوی ﷺ ہی ہے، اس ضمن میں حافظ عراقی اور امام ابن جریر کے اقوال کو مصنف ذکر کرنے کے بعد روایات کا رجحان بتاتے ہوئے کہتے ہیں کہ یہی اس آیت کی مراد ہے:

"امام ابن جریر نے دونوں مذاہب کے استدلالات ذکر کرنے کے بعد اپنا فیصلہ سناتے ہوئے یہ کہا کہ اس مسجد سے، مسجد نبوی ﷺ ہی مراد ہیں کیونکہ اس کی تعیین بہت سارے صحابہ کی احادیث سے ہو رہی ہے جن احادیث میں کوئی خرابی نہیں ہے اس لیے تفسیر بالماثور کو ترجیح دیتے ہوئے اسی موقف کو اختیار کیا جائے گا۔"[(28)]

---

(27) التوبہ: 108

Al-Tauba:108

(28) ملا خاطر، فضائل المدينة المنورة: 2/193

Mulla Khatir, Faza'il al-Madinah al-Munawarah,2/193

امام ابن جریر کے اسی قول میں دوسرے قول کے کمزوری کی طرف اشارہ کیا گیا ہے یعنی جس درجے کی صحیح احادیث اس موقع کی تائید میں ہیں اس درجے کی احادیث مسجد قبا کے بارے میں نہیں ہے اسی لیے زیادہ قوی روایات کا اعتماد کرتے ہوئے مسجد نبوی مراد لی جائے گی۔

4۔ نقد روایات تعارض وتناقض کے اصولوں پر

مصنف نے ان روایات کا رد کیا ہے جن میں تفرد کا احتمال ہے لیکن جن روایات میں تفرد کا احتمال ختم ہو گیا یا ان کا کوئی متابع یا شاہد پایا گیا تو وہاں پر مصنف نے ان روایات کو قبول کیا ہے اور ایسی صورت میں پیدا ہونے والے تعارض کو بھی ختم کیا ہے۔ اس کی مثال آپ ﷺ نے حرم شریف کی تختیاں لگوائیں یعنی حدود حرم متعین کرنے کے لیے کچھ علامتی نشان لگوائے اب اس ضمن میں دو روایتیں ملتی ہیں ایک روایت یہ ہے کہ " أَنَّ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم أَمَرَهُ أَنْ يُجَدِّدَ أَنْصَابَ الْحَرَمِ عَامَ الْفَتْحِ "(29) (آپ ﷺ نے اسود بن خلف کو یہ حکم دیا) اور دوسری روایت یہ ہے کہ " بَعَثَ تَمِيمَ بْنَ أَسَدٍ الْخُزَاعِيَّ يُجَدِّدُ أَنْصَابَ الْحَرَمِ "(آپ ﷺ نے یہ حکم تمیم بن اسد کو دیا۔)[30] اب تمیم بن اسد والی حدیث کو امام ابو نعیم اور ابن سعد نے ابن عمر سے روایت کیا اور ابن عباس سے روایت کیا اور امام ابن حجر نے اس کو حسن کہا اور بوصیری نے اس کے رجال کو ثقات قرار دیا۔[31]

جب کہ دوسری طرف اسود بن خلف کی روایت ہے جس کو بزار اور طبرانی نے روایت کیا، حافظ ہیثمی نے اس سند کے بارے میں کہا "محمد بن اسود" اس میں مجہول ہے اور امام ذہبی نے بھی میزان میں یہی کہا کہ نا م محمد کا پتہ ہے اور نہ ہی اس کے باپ اسود کا پتہ ہے۔ ابن خثیم کا اس سے تفرد ہے۔ اس پر مصنف نے امام ابن حجر کا تعقب ذکر کیا اور ایسے دلائل ذکر کیے جن سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ذہبی کا یہ قول شاذ ہے اب چونکہ سند سے جہالت ختم ہو گئی تھی۔ پھر مصنف نے ابن ابی حاتم کے حوالے سے نقل کیا کہ ابن خثیم محمد بن اسود سے روایت کرنے میں اکیلا نہیں بلکہ ابو زبیر بھی اس سے روایت کرتا ہے پھر مصنف نے آخر میں کہا کہ امام ازرقی نے اس حدیث

---

(29) طبرانی، سلیمان بن احمد، المعجم الکبیر، محقق: حمدی بن عبد المجید، قاہرہ: مکتبۃ ابن تیمیہ، 1415ھ، 1/ 380، رقم الحدیث: 817

Tabarani, Suleiman ibn Ahmad, al-Mu'jam al-Kabeer, Muhaqqiq: Hamdi b. 'Abd al-Majid, Cairo: Maktaba Ibn Taymiyah, 1415 AH, 1/380, Raqib al-Hadith: 817

(30) سیوطی، عبد الرحمن بن ابی بکر، الجامع الکبیر، محقق: مختار ابراہیم الہائج، قاہرہ: الازہر الشریف، 2005ء، 30/ 773

Sayuti,Abdul al-Rahmaan bin Abi Bakr, al-Jami al-Kabeer, Researcher: Mukhtar Ibrahim al-Hayij, Cairo: Al-Azhar al-Sharif, 2005, 30/773

(31) ملا خاطر، خلیل بن ابراہیم، مکانۃ الحرمین الشریفین عند المسلمین، جدہ: دار القبلۃ الثقافۃ الاسلامیہ، 1413ھ، ص 14

Mulla Khatir, Khalil bin Ibrahim, Makanat al-Harmain al-Sharifeen andal-Muslimeen, Jeddah: Dar-ul-Qibla al-Thaqafat al-Islamiyya, 1413 AH, p.14

کے شواہد ذکر کیے ہیں۔ اب جب جہالت والا اعتراض بھی اٹھ گیا تفرد والا اعتراض بھی اٹھ گیا اور اس کے متابعت بھی ثابت ہو گئی تو یہ دونوں روایات رد ہونے کے قابل قرار نہ پائیں اب تعارض تھا تو مصنف نے اس تعارف کو دور کر کے دونوں روایات کو قبول کرنے کا حکم واضح کیا۔[32]

"کما لا تعارض بین الحدیثین، إذ یحتمل أن یکون النبی صلی الله علیه وآله وسلم قد کلف کلا من الأسود وتمیم بن أسد رضی الله عنهما فی تجدید أنصاب الحرم، والله تعالی أعلم "[33]

(جیسا کہ دونوں حدیثوں میں تعارض نہیں ممکن ہے نبی کریم ﷺ نے اسود اور تمیم بن اسد دونوں قبائل کے لوگوں کو اس کی تزئین و آرائش کا حکم دیا ہو۔)

5۔ اصول سیرت نگاری کی روشنی میں نقد روایات

اس مقالہ کی ابتداء میں علامہ شبلی سے سیرت نگاری میں نقد روایات کا طریقہ کا بیان کیا گیا، جس میں یہ بات واضح ہے کہ ایک سیرت نگار کو یہ پر رکھنا چاہیے، اس بات کی اچھی طرح تنقیح کرنی چاہیے کہ روایت کتنی ہے اور راوی کا فہم کتنا ہے یعنی راوی نے اپنے سمجھ سے کون سا نتیجہ نکال کر اس روایت میں ڈال دیا ہے۔ اس ضمن میں ملا خاطر نے بھی اسی اسلوب کی پابندی کی ہے اور ایسے روایات کا خصوصی مطالعہ کیا ہے، جن روایات میں راوی کے اپنی سمجھ سے روایت پر زیادہ الفاظ داخل ہو گئے تھے، چنانچہ ایک روایت یہ ہے کہ جب آپ ﷺ مسجد نبوی بنوا رہے تھے تو اس وقت جبرائیل علیہ السلام آئے اور انہوں نے آپ ﷺ کے لیے کعبہ شریف کی سمت کا صحیح تعین کیا۔

ایک حدیث میں الفاظ یہ ہیں کہ جبرائیل علیہ السلام نے آکر قبلہ کی جہت کو درست کیا اسی وجہ سے مسجد نبوی اور مسجد قباء کا قبلہ درست ہوا۔[34] اسی طرح نافع بن جبیر کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں نے اپنی مسجد کا قبلہ نہیں رکھا حتی کہ میرے لیے کعبہ شریف کے آگے جتنے پردے تھے وہ اٹھا لیے گئے۔[35] ایک اور روایت میں ہے کہ جبرائیل علیہ السلام آئے اور انہوں نے قبلہ کو

---

[32] ایضاً

Ibid

[33] ملا خاطر، مکانۃ الحرمین، ص 14

Mulla Khatir, Maknat al-Harmain, p. 14

[34] ملا خاطر، فضائل المدینۃ المنورۃ، 2/143

Mulla Khatir, Faza'il al-Madinah al-Munawarah, 2/143

[35] القشیری، مسلم بن حجاج، صحیح مسلم، کتاب الصلاۃ، باب دنو المصلی من السترۃ، رقم الحدیث: 264

Al-Qushairi, Muslim bin Hajjaj, Sahih Muslim, Kitab al-Salaah, Bab Danu al-Musalli min al-Satratw, Raqm al-Hadith: 264

آپ ﷺ کے سامنے رکھا اور اس میں الفاظ ہیں کہ آپ ﷺ قبلہ کی طرف دیکھ رہے تھے اگرچہ ان روایات میں کچھ نہ کچھ کلام ضرور ہے، لیکن ان کے شواہد موجود ہیں اسی وجہ سے مصنف نے کہا کہ ان تمام طرق سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس کی کوئی نہ کوئی اصل ضرور ہے۔ اب مسئلہ یہ بن گیا کہ ان روایات کو اگر قبول کیا جائے تو یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ کس طرح ہو سکتا ہے کہ مسجد نبوی تو ہجرت کے فوراً بعد بنائی گئی جبکہ تحویل قبلہ سوا سال بعد ہوا تو اس وقت کعبہ شریف قبلہ تھا ہی نہیں تو پھر کیسے اس کے مطابق جبرائیل علیہ السلام نے قبلہ کو درست کروایا۔ مصنف اشکال کو دور کرتے ہوئے کہتے ہیں:

"وخطرلی فی جوابه أنه أطلق الكعبة، وأراد القبلة، أوالكعبة على الحقيقة، وإذا بين له جهتها كان إذا استدبرها استقبل بيت المقدس. وتكون النكته فيه أنه سيحَوَّل إلى الكعبة، فلا يحتاج إلى تقويم آخر"[36]

(میرے دل میں یہ جواب کھٹکا کہ یہاں پر بولا اگرچہ کعبہ گیا ہے، لیکن مراد قبلہ کو لیا گیا ہے یا کعبہ بول کر کعبہ ہی مراد ہے لیکن اس صورت میں مطلب یہ تھا کہ یہ کعبہ کی جہت ہے جب اس سے پیٹھ کروگے تو سیدھا ہی بیت المقدس ہے اور اس میں یہ نقطہ بیان کرنا مقصود تھا کہ عنقریب بالکل سیدھ میں واپس تمہیں پلٹنا ہے۔)

سیرت نگاری میں ایک سیرت نگار پر یہ لازم ہوتا ہے کہ وہ روایات سیرت پر تنقیح کرتے ہوئے تمام وسائل تحقیق بروئے کار لائے ایسے تمام مفروضات رد کردے جو روایت کی تحقیق کے خلاف ہیں۔ مثلاً روایت پر راوی کی تفہیم کیا ہے وہ کتنی تفہیم شامل کر رہا ہے یا اس نے روایت پر اپنا کون سا کلام داخل کر دیا ہے۔ چنانچہ اس ضمن نے موصوف نے حضرت ابو موسی اشعری رضی اللہ تعالی عنہ سے ایک حدیث روایت کی جس میں ہے کہ آپ ﷺ جب ملک شام گئے تو راہب چل کر ان کی طرف آیا اور وہ کہنے لگا کہ یہ تو سید العالمین ہیں اور یہ رب العالمین کے رسول ہیں یہ تو رحمت اللعالمین بنا کر بھیجے گئے ہیں۔ اس پر قریش کے شیوخ نے پوچھا تمہیں کیسے پتہ تو اس نے کہا کہ جب تم آرہے تھے تو میں نے دیکھا کہ ہر درخت اور ہر پتھر آپ ﷺ کو سجدہ کر رہا ہے اور یہ چیزیں سوائے نبی کے اور کسی کو سجدہ نہیں کرتی اس حدیث کو امام حاکم نے صحیح کہا ہے۔

اسی طرح امام ابن حجر نے اس کے رجال کو ثقات قرار دیا ہے، جبکہ امام ترمذی نے اس حدیث کو ذکر کیا تو اس میں راہب کا نام بھی نہیں لیا اور ساتھ میں ایک ایسا کلمہ ذکر کیا جو کہ منکر ہے وہ کلمہ یہ ہے "وا تبعه ابو بکر بلالا"[37] حالانکہ یہ بات سب کو

---

[36] ملا خاطر، فضائل المدينة المنورة، 2/145

Mulla Khatir, Faza'il al-Madinah al-Munawarah,2/ 145

[37] ترمذی، محمد بن عیسیٰ، السنن، کتاب المناقب عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، باب مَا جَاءَ فِي بَدْءِ نُبُوَّةِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، رقم الحدیث:3620

Al-Tirmidhi, Muhammad bin Isa, al-Sunan, Kitab al-Manaqib an-Rasulullah (peace and blessings of Allaah be upon him), Bab Ma ja'a fi Bada Nabawat-un-Nabi (peace and blessings of Allaah be upon him), Raqial-Hadith: 3620

معلوم ہے کہ اس سفر میں آپ ﷺ کے ساتھ صدیق اکبر نہیں تھے اور حضرت بلال نہیں تھے بلکہ حضرت بلال کو حضرت صدیق اکبر نے خرید اتک نہیں تھا تو یہ کلمہ اگرچہ ترمذی میں موجود ہے لیکن اس کلمہ کو یا تو ادراج قرار دے دیا جائے گا یا پھر راوی کا وہم قرار دے دیا جائے گا۔ مصنف نے اس کے بعد یہ کہا کہ جو حدیث میں نے ذکر کی ہے اس کی اصل ابن ابی شیبہ کی روایت ہے اور اس میں یہ زیادتی اور یہ ادراج مذکور نہیں ہے۔

"اصابہ میں بحیرا راہب کے تعارف میں یوں لکھتے ہیں کہ یہ قصہ ثقہ راویوں کی سند کے ساتھ آیا ہے، ابو موسی اشعری کی حدیث ہے اسے ترمذی نے تخریج کیا ہے اور اس میں راہب کا نام نہیں لیا اور اس میں منکر کا لفظ کا اضافہ کیا اور اس کا یہ قول کہ ابو بکر، بلال کے پیچھے آئے اس کے انکار کا سبب یہ ہے، کہ ابو بکر نے اس وقت تک بلال کو خریدا ہی نہ تھا یہ آخری جملہ حدیث سے جدا ہے اور حدیث میں درج ہو گیا ہے اور اس جملے کو روایت کرنے میں ایک آدھا راوی ہے۔ میں کہتا ہوں اصل حدیث وہ ہے جسے ابن ابی شیبہ نے روایت کیا ہے اس سے زیادہ حدیث نہیں ہے۔"[38]

6۔ تنقیح متن میں متروک اصطلاحات کی تحقیق

متن میں غیر واضح الفاظ کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں، کہ نبی کریم ﷺ کی حدیث ہے کہ مدینہ کی دو پہاڑیاں عیر اور ثور کے درمیان جو کچھ بھی ہے وہ حرم ہے یہ روایات صحیحین میں بھی مذکور ہیں صحیحین کی روایت میں "الی کذا وکذا" کے الفاظ ہیں یعنی دونوں پہاڑیوں کے نام مذکور نہیں ہے، جبکہ بخاری میں عیر نامی پہاڑی کا نام تو مذکور ہے لیکن دوسری پہاڑی کا نام مذکور نہیں ہے، اسی وجہ سے علماء نے ان روایات میں بہت زیادہ خطا کھائی قاضی عیاض نے کہا کہ موسی بن زبیر کہتے ہیں[39] ان ناموں کی کوئی پہاڑیاں مدینہ میں ہیں ہی نہیں یہ مکہ میں ہیں اس لیے اس حدیث کا اعتبار نہیں ہو گا۔ مازری کہتے ہیں، یہاں ثور لفظ نہیں بلکہ احد لفظ ہے اور ثور وہم ہے ابو عبید نے بھی اسی طرح کی بات کہی جبکہ کچھ علماء نے اس کے معنی میں تاویل کی، ابن اثیر نے تو یہاں تک کہا کہ ایسی کوئی پہاڑی مدینہ میں ہے ہی نہیں بلکہ یہاں پر عیر اور ثور پہاڑیاں مکہ میں ہیں[40] ان کا اندازہ بیان کیا گیا کہ اسی انداز سے مدینہ کا حرم ہے مصنف کہتے ہیں:

---

[38] ملا خاطر، محبۃ النبی وطاعتہ بین الانسان والجماد، ص 38-39

Mulla Khatir , Mohibat-un-Nabi wa Ta'aitehi bain al-Insaan wal-Jamad, p 38.39

[39] ملا خاطر، فضائل المدینۃ المنورۃ، 1/ 82

Mulla Khatir, Faza'il al-Madinah al-Munawarah,1/ 82

[40] ایضاً

Ibid

"مجھے حیرت ہے کہ اتنے بڑے بڑے علم کے پہاڑ نہ جانے انہیں کیسے وہم ہو گیا کہ وہ ان پہاڑیوں کو نہ پہچان سکے اور مجھے یہی لگتا ہے کہ متقدمین سے یہ تسامح شروع ہوا، جیسے ابو عبید اور مصعب ہیں تو پھر باقی نے انہی کی تقلید میں بغیر کسی تحقیق و تفتیش یا سوال وجواب کے اسی کو قبول کر لیا۔"(41)

اس روایت کی تفہیم میں بلکہ اس کی تنقید میں بہت سارے محققین علماء سے تسامح ہوا کہ انہوں نے لفظ ثور کو اپنے گمان کے مطابق غلط سمجھا اسی لیے بخاری میں یہ روایت متعدد مقامات پر آئی اور سب جگہوں پر ثور کے الفاظ نہیں ہیں بلکہ الی کذا کے الفاظ ہیں۔

اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ سیرت نگاری ایک بہت مشکل امر ہے کئی محققین ایسے ہیں جنہوں نے متروک اصطلاحات کی عدم واقفیت کی بنا پر روایات کو ترک کر دیا یا ان کے معنی کو مؤول سمجھا بہت سارے محدثین نے حدیث میں بولی گئی ایک اصطلاح کا انکار کر دیا آپ ﷺ نے فرمایا کہ مدینہ کا عیر اور ثور نام پہاڑیوں کے درمیان آنے والا حصہ حرم ہے، اس پر محدثین نے کہا کہ ثور تو مکہ میں ہے اس لیے یہاں ثور کی غلطی ہوئی ہے، کچھ محققین نے تو یہاں تک کہا کہ مدینہ میں ایسا کوئی مقام ہے ہی نہیں ملا خاطر نے اس پر بہت زیادہ تحقیق کی اور ائمہ لغت ائمہ حدیث اور متعدد نظائر سے یہ ثابت کیا کہ احد کے قریب چھوٹی سی پہاڑی کو ثور کہتے ہیں۔ آج ایسے کئی اماکن ہیں جن کا نام بدل چکا ہے تو نام بدلنے سے یا ان اصطلاحات کے متروک ہو جانے سے روایات کا انکار یہ روایات کی تاویل نہیں کی جائے گی۔

مصنف نے کئی مثالوں کے ذریعے سے واضح کیا کہ ایک نام کی دو جگہیں ہو سکتی ہیں جیسے طرابلس یہ شام کا شہر بھی ہے اور لیبیا میں بھی ایک جگہ ہے اور جیسے بصرہ یہ جنوبی عراق میں بھی ہے اور شمالی افریقہ میں بھی ہے۔ دوسری دلیل یہ دی کہ مرور زمانہ کے ساتھ چیزوں کے نام بدل جاتے ہیں جیسے تنزانیہ اور ایتھیوپیا وغیرہ جس طرح ذوالحلیفہ آج کے دن بیار کے نام سے مشہور ہے تو بڑی حیرت کی بات ہے کہ جو حدیث متفق علیہ ہو، صحیح ہو اس کے بارے میں یہ کہنا کہ ہم اس کو تسلیم نہیں کرتے یہ ایک غیر تحقیقی امر ہے۔(42)

مصنف کہتے ہیں آج کے دن میں کسی جگہ کا علم نہ ہونا اس کے انکار کی وجہ نہیں بن سکتا چنانچہ آج کے دن میں ہمیں سقیفہ بنی ساعدہ کا علم نہیں، محصب کہاں ہے اور فدک کہاں ہے ہمیں اس بارے میں علم نہیں۔ مصنف آخری دلیل یہ دیتے ہیں کہ اس پہاڑ کا وجود آج بھی ہے میں نے 20 سال پہلے وہاں گیا، پھر میں نے علماء سے پوچھا اور ان بندوں سے پوچھا جنہیں اس معاملے کا علم تھا تو انہوں نے اس بات کی تائید کی کہ بہت پہاڑ کے ساتھ چھوٹی سی جو پہاڑی ہے اسی کو ثور کہا جاتا ہے۔

---

(41) ملا خاطر، فضائل المدینۃ المنورۃ، 1/ 84

Mulla Khatir, Faza'il al-Madinah al-Munawarah, 1/ 84

(42) ملا خاطر، فضائل المدینۃ المنورۃ، 1/ 84

Mulla Khatir, Faza'il al-Madinah al-Munawarah, 1/ 84

"بہت سے لوگوں اور بعض علماء کا اس مقام سے نا آشنا ہونا اس کی اہمیت کو کم نہیں کرتا جیسا کہ میں نے کہا لوگوں کی دو قسمیں ہیں یا وہ جانتے ہیں یعنی عبرت وہی حاصل کرے گا سبق وہی حاصل کرے گا وہ جانتا ہے نہ کہ وہ جو نہیں جانتا اسی طرح عبارات اہل علم سے نقل ہوتی ہوئی آئی ہیں۔"(43)

مصنف نے آخر میں بڑی حسین بات کی کہ کسی روایت سے بعض لوگوں کا ناواقف ہونا اور بعض علماء کا توجہ نہ کرنا یہ ان بندوں پر حجت نہیں ہوتا جن کو علم ہو اور اعتبار ان کا ہوتا ہے جن کو علم ہو اور اسی طرح اہل علم کی عبارات چلی آرہی ہیں یا نہیں اعتبار اہل علم کا ہی ہوتا ہے۔

7۔ تطبیق وترجیح کی صورت میں نقدروایات

ایک سیرت نگار پر یہ لازم ہے کہ وہ ایسی احادیث کے درمیان تطبیق پیدا کرے، جن احادیث کا ظاہر ایک دوسرے کا مخالف و معارض ہو، چنانچہ مصنف اس بات کا اہتمام کرتے ہیں کہ اگر دو روایتیں ہوں اور دونوں قبولیت کے درجے پر فائز ہوں، تو مصنف ان کے درمیان تطبیق یا ترجیح کے اصولوں پر فیصلہ کرتے ہیں اور اگر ان میں سے کوئی ایک زیادہ ضعیف ہو تو اس کو چھوڑ دیتے ہیں یا قبولیت کے درجے پر ہی نہ ہو تو تب بھی اس کی کوئی پرواہ نہیں کرتے اس کو چھوڑ دیتے ہیں۔

اب یہاں پر دو احادیث مصنف نے ذکر کی ایک یہ ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا میرے بعد خلافت تیس سال ہوگی۔ سفینہ کہتے ہیں ابو بکر کی خلافت، عمر کی خلافت، عثمان کی خلافت اور پھر حضرت علی کی خلافت پر تیس سال ختم ہوگئے۔[44] یہ روایت کہہ رہی ہے کہ آپ ﷺ نے خلافت کے لیے خلفاء منتخب کیے تھے۔ جبکہ بخاری کی روایت کہہ رہی ہے جس میں خود حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرمارہے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے کسی کو بھی خلیفہ منتخب نہیں فرمایا اب یہ دونوں روایات صحت کے ترجے پر فائز ہیں تو ایسی صورت میں ایسا معنی بیان کیا جانا چاہیے جس کی وجہ سے دونوں احادیث پر عمل کرنا ممکن ہو جائے۔ مصنف کہتے ہیں کہ حضرت عمر کی جو حدیث ہے جس میں خلافت کی نفی ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ نے باقاعدہ نام لے کر کسی کو معین خلیفہ نہیں مقرر کیا اور حضرت علی بھی یہی کہتے ہیں اور جو دوسری روایت ہے سفینہ والی اس میں بغیر نام کے آپ ﷺ نے اپنے چار خلفاء کا انتخاب کیا جس طرح حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خلافت کو چھ بندوں کے درمیان سپرد کردیا۔(45)

---

(43) ایضاً، 1/ 76۔77

Ibid,1/ 76.77

(44) سنن الترمذي، کتاب الفتن عن رسول الله صلى الله عليه وسلم، باب ما جاء في الخلافة، رقم الحديث: 2226

Sunan al-Tirmidhi, Kitab al-Fitan an-Rasulullah (peace and blessings of Allaah be upon him), Bab Ma ja'a fi al-Khilafah, Raq al-Hadith: 2226

(45) ملا خاطر، فضائل المدينة المنورة، 1/ 55

Mulla Khatir, Faza'il al-Madinah al-Munawarah,1/ 55

سفارشات:

سیرت نگاری کے لیے ضروری ہے کہ اس کے اصولوں کو محدثین کے اصولوں کے مطابق وضع کیا جائے، تاکہ مستند روایات پر مبنی مواد پیش کیا جا سکے۔

تحقیق کے دوران ضعیف روایات سے مکمل اجتناب کیا جائے اور صرف صحیح اور حسن احادیث پر انحصار کیا جائے۔

سیرت نگار کو چاہیے کہ دو یا زیادہ متعارض روایات کے درمیان تطبیق یا ترجیح کے اصولوں کے تحت مسئلے کو حل کرے۔

ایسی اصطلاحات یا مقامات جو مرور زمانہ کے ساتھ غیر واضح ہو چکی ہوں، ان کی تحقیق کے بغیر روایات کو رد نہ کیا جائے۔

سیرت نگاری میں موجود جدید تحقیق کو تعلیمی اداروں میں شامل کیا جائے تاکہ طلبہ کو مستند مواد پڑھایا جا سکے۔

نتائج:

خلیل بن ابراہیم ملا خاطر نے سیرت نگاری میں محدثین کے اصولوں کو اپنایا، جس کی وجہ سے ان کے کام میں غیر معمولی استناد اور جامعیت موجود ہے۔

مصنف نے ان تمام روایات کو رد کیا جو متفق علیہ اصولوں کے خلاف تھیں۔

ملا خاطر نے متن کی تنقیح، ترجیحی اصول، اور احتمالی معانی کی وضاحت کے ذریعے تحقیق کا ایک جامع اسلوب پیش کیا۔

مصنف نے سیرت کے اصولوں کو حدیث کے اصولوں کے ساتھ ہم آہنگ کرنے کی کوشش کی، جو سیرت نگاری کو ایک نیا اور تحقیقی رخ فراہم کرتا ہے۔

مصنف نے تاریخی مقامات اور اصطلاحات کے بارے میں غلط فہمیوں کو دور کرنے کے لیے مضبوط دلائل اور شواہد فراہم کیے۔